



# کلماتِ سپاس

## مفتی منیب الرحمن

”تعلیمات امام احمد رضا“ اور ”اعراس مبارکہ“ کے عنوان سے ہمارے گزشتہ دو کالموں کو ہمارے اپنے فیس بک پیج پر اور مختلف ویب سائٹس پر اہلسنت و جماعت سمیت دیگر مکاتب فکر کے لوگوں نے لاکھوں کی تعداد میں پڑھا، بیشتر نے اسے اپنے احباب کو بھی بھیجا، جسے آج کل Share کرنا کہتے ہیں۔ بڑی تعداد میں اہل علم اور دین سے محبت رکھنے والے حضرات نے ہماری حوصلہ افزائی فرمائی، دیگر مکاتب فکر کے لیے اہلسنت و جماعت کے مسلک کی صحیح تعبیر چشم کشا ثابت ہوئی، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِک، یہی ہمارا مقصود و مَدْعٰی تھا۔ بہت سے لوگ ہمارے مسلک کو اصل مآخذ سے پڑھنے کی زحمت نہیں فرماتے اور سنی سنائی باتوں یا بعض جاہل پیروں اور واعظین کے طور طریقوں کو دیکھ کر رائے قائم کر کے اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں، فیض احمد فیض نے کہا تھا:

وہ بات، سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا  
چراغِ حسنِ حسرت نے ہمارے درد کو اس شعر میں بیان کیا تھا:

غیروں سے کہا تم نے، غیروں سے سنا تم نے  
کچھ ہم سے کہا ہوتا، کچھ ہم سے سنا ہوتا

شاہد لطیف ملک صاحب نے بذریعہ ای میل خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ”فوائد الفوائد“ کے حوالے سے لکھا ہے:

”حضرت سجدہ تعظیمی کو ناپسند کرتے تھے، لیکن اپنے شیخ کی اتباع میں معتقدین کو اس پر ٹوکتے نہیں تھے اور وہ کہتے تھے: ”میں رسول اللہ ﷺ کی چوکھٹ کو بوسا دینے سے کیسے منع کروں“۔ اس کی بابت ہم امام احمد رضا قادری کے حوالے سے لکھ چکے ہیں: ”مزار کو بوسا دینے میں علماء کا اختلاف ہے، یعنی بعض اپنے دلائل سے جواز کے قائل ہیں، لیکن عوام کے لیے محتاط ترین شرعی حکم یہی ہے کہ انہیں منع کیا جائے، کیونکہ اس روش کی انتہا سجدہ تعظیمی پر ہوتی ہے۔“

پس مقاصد شرعیہ میں سے ایک ”سد ذرائع“ ہے اور آج جب ہم اپنے دور میں ابتذال کو دیکھتے ہیں تو اس کی حکمت و اہمیت ہمیں آفتاب نصف النہار کی طرح روشن نظر آتی ہے۔ مزار کی چوکھٹ کو بوسا دینے سے امام اہلسنت نے منع نہیں فرمایا، کیونکہ اس پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ لیکن روضہ رسول کی جالیوں یا چوکھٹ کو بوسا دینے سے منع فرمانے کی حکمت اس کا حرام، مکروہ تحریمی یا بدعت ہونا نہیں بتایا، بلکہ اسے انہوں نے آداب بارگاہ نبوت کے خلاف کہا ہے، کیونکہ وصال مبارک کے بعد بھی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کے وہی آداب ہیں، جو آپ کی حیات مبارکہ میں تھے اور اس کی بابت ہم گزشتہ کالم میں لکھ چکے ہیں۔ ہم بے شعور بچے یا ناپینا یا فاجر اطفال کو آگ



یا تیز چھری یا گہرے گڑھے کے قریب جانے سے اس لیے نہیں روکتے کہ اس جگہ جانا منع ہے، بلکہ اس لیے روکتے ہیں کہ یہ لوگ آگ میں جل سکتے ہیں، کسی تیز دھار آلے سے کٹ سکتے ہیں یا بے احتیاطی سے گہرے گڑھے میں گر سکتے ہیں۔ پس جہالت کی آگ یا گہرے گڑھے میں گرنے سے بچانا علمائے ربانین کی ذمہ داری ہے اور شریعت کا تقاضا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ مکرم ﷺ کی بعثت کا ایک مقصد جلیل یہی تو بتایا ہے: ”اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر فرمائی، جب کہ تم باہم دشمن تھے (اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے)، پس اس (نعمتِ عظمیٰ) نے تمہارے (ٹوٹے ہوئے) دلوں کو جوڑ دیا، سو تم اس کی نعمت کے تصدق (آپس میں) بھائی بھائی بن گئے اور (ذرا یاد کرو) تم آگ کے گڑھے کے کنارے تھے (اور اس میں گرا ہی چاہتے تھے) کہ اس نے تمہیں (اس میں گرنے سے) بچالیا، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی نشانیوں کو بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ، (آل عمران: ۱۰۳)۔“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”میری اور لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے، جس نے آگ جلائی، پس جب آگ نے ارد گرد روشن کر دیا تو آگ پر گرنے والے پروانے اور کیڑے مکوڑے اس میں گرنے لگے اور آگ جلانے والا اس میں سے انہیں نکالنے لگا اور وہ پروانے اور کیڑے مکوڑے اس پر غالب آ گئے اور وہ آگ میں داخل ہو گئے۔ پس میں بھی تمہیں کمر سے پکڑ کر آگ سے نکال رہا ہوں اور وہ اس آگ میں گرے جارہے ہیں، امام مسلم نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے: ”میں تمہاری کمر پکڑ کر تم کو جہنم میں جانے سے روک رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں: (آگ سے بچو اور) جہنم سے دور ہو جاؤ اور تم لوگ میری بات نہ مان کر جہنم میں گرے جارہے ہو، (بخاری: 6483، مسلم: 2284)۔“

بعض لوگ ”سجدہ تعظیمی“ کے حوالے سے فرشتوں کے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین کریمین اور برادران کے انہیں سجدہ کرنے کا حوالہ دیتے ہیں۔ اُن کی خدمت میں گزارش ہے کہ گزشتہ شریعتوں کی جو بات ہماری شریعت کے خلاف ہو، اسے ہم اختیار نہیں کریں گے۔ ہمارے نزدیک سجدہ تحیت حضرت آدم اور حضرت یوسف علیہما السلام کے ساتھ خاص تھا اور بعض مفسرین کرام نے یہ توجیہ کی ہے کہ انہیں مسجود مان کر سجدے کا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ عبتہ اللہ کی طرح ان کی حیثیت سجدہ کی تھی۔ لیکن دو ٹوک بات یہ ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت میں سجدہ تعظیمی جائز نہیں ہے، بعض لوگ ایسے امور میں بعض بزرگوں کے تقرّرات کا حوالہ دیتے ہیں، ہم شریعت کے مقابل ان تقرّرات کو نہ اختیار کریں گے اور نہ ان کی حوصلہ افزائی کریں گے، البتہ چونکہ وہ صاحبانِ علم تھے، اس لیے ان کے بارے میں سکوت اختیار کریں گے۔ ”فوائد الفوائد“ میں شیخ ابوسعید ابوالخیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے زمین پر بوسہ دینا پسند نہیں فرمایا، (ص: 216)۔“

حضرت شیخ المشائخ سید اشرف جہانگیر سمٹانی کے ملفوظات میں ہے: ترجمہ: ”مشائخ کرام کے سامنے پیشانی زمین پر رکھنے کو بعض مشائخ نے جائز قرار دیا، لیکن اکثر مشائخ نے اس کا انکار کیا ہے اور اپنے اصحاب کو اس سے منع فرمایا کہ سجدہ تحیت پہلی امتوں میں جائز تھا، اس امت میں منسوخ ہے، (لطائف اشرفیہ، لطیفہ: 70)۔“ امام احمد رضا لکھتے ہیں: ”جب جمہور اولیاء ممانعت پر ہیں اور اکثر کے لیے حکم کُل، تو اجماع اولیاء تحریم پر ہوا، اجماع کے مقابل کوئی سند معتبر نہیں ہے، (فتاویٰ رضویہ، ج: 22، ص: 491)۔“

الحمد للہ! ملک اور بیرون ملک سے چالیس سے زائد اکابر علمائے کرام و مشائخِ عظام کی تصدیقات و تائیدات کے ساتھ ہماری



کتاب ”اصلاح عقائد و اعمال“ طبع ہو چکی ہے اور اس کی بہت پذیرائی ہو رہی ہے، ابھی بعض دیگر مسائل پر بھی اہلسنت کا مسئلہ موقف بیان کرنا ہے، ان شاء اللہ العزیز اگلی جلد بھی یقیناً آئے گی۔ جن کے مفادات پر زبرد پڑتی ہے، ان کا بے چین ہونا لازم ہے، اس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ہم نے ”اصلاح عقائد و اعمال“ میں انہی امور کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

”بعض لوگ گزشتہ مسلم بزرگ شخصیات کی عبارات پر گرفت کرنے کے شوق میں مبتلا ہیں، انہیں ان عبارات کے مرادی معنی پر آگاہی نہیں ہوتی۔ ایسی عبارات کے بارے میں حسن ظن سے کام لیتے ہوئے شریعت کی رو سے ان کی قابل قبول توجیہ کرنا لازم ہے۔ پس مسئلہ بزرگ شخصیات کی ذات پر بلا سبب طعن کرنا ناپسندیدہ ہے اور اگر بالفرض ان کی عبارات کی کوئی صحیح تاویل ممکن نہ ہو تو اسے اُن کی طرف منسوب کرنے کی بجائے بعد والوں کا الحاق قرار دیا جائے گا اور ملفوظات کی ذمہ داری ناقل پر عائد ہوتی ہے۔

فتاویٰ امجدیہ میں حضرت علامہ امجد علی اعظمی نے مولانا آسی کے ایک شعر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ عالم کے کلام کو غیر عالم کے کلام پر قیاس نہ کیا جائے، وہ لکھتے ہیں: ”یہ شعر کسی بے باک زبان دراز کا کلام نہیں، جس کی عادت ایسی ہو کہ جو جی میں آئے بک دے، بلکہ ایک واقعہ شریعت کی طرف منسوب ہے، لہذا حتی الامکان اُس کی تاویل کی جائے گی اور کلام کو ظاہر پر محمول نہیں کیا جائے گا، (فتاویٰ امجدیہ، جلد چہارم، ص 279)۔“ امام احمد رضا خان قادری نے عام، گناہ اور بے ہودہ لوگوں کے اشعار کے مطالب پوچھنے پر ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں لکھا: ”ایسے اشعار کا مطلب اُس وقت پوچھا جاتا ہے، جب معلوم ہو کہ قائل کوئی معتبر شخص تھا، ورنہ بے معنی لوگوں کے ہذیان ہرگز قابل التفات نہیں ہیں، (فتاویٰ رضویہ، ج 29، ص 67)۔“

امریکا اور اہل مغرب نے ماضی قریب میں احقاق حق اور ابطال باطل کے فریضے سے علمائے حق کو دستبردار کرنے اور ”سب کچھ جائز ہے“ کی روش کو قبولیت دینے کے لیے تصوف کی آڑ میں ایک شعوری تحریک برپا کی، اسی کو ”صلح گئی“ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس کا مقصد گزشتہ تین عشروں سے جاری دہشت گردی کی آڑ لے کر مسلمانوں کو جہاد کے اصول سے دستبردار کرنا تھا۔ ہم نے روز اول سے ان باطل تحریکات کی برملا مخالفت کی ہے، لیکن شرعی جہاد ہمارے عقیدے اور دین کا حصہ ہے، اُس کی تفصیلی شرائط فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ یہ اصول بھی ناقابل تسلیم ہے کہ صرف وہ یہودی اور عیسائی کافر تھے، جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے زمانے میں آپ کی دعوت پر لبیک نہیں کہا، بعد والے یہود و نصاریٰ کافر نہیں، یہ بھی تلمیسِ ابلیس ہے۔ اسی طرح عالمی سطح پر یہ تقسیم کہ مطلق کفار و مشرکین ایک ڈمرے میں ہیں، یعنی وہ Non Believers ہیں، جبکہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ Believers ہیں، یعنی اہل ایمان کے ڈمرے میں شامل ہیں۔ یہ تعبیر و تشریح قرآن مجید کی صریح اور قطعی آیات کے خلاف ہے، اس لیے قابل قبول نہیں ہے۔ قرآن کریم کی ”سُورَةُ الْبَنَةِ: 1 و 6، المائدة: 72-73“ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے مقابل اہل کتاب کو کافر قرار دیا ہے، ظاہر ہے جو ختم المرسلین ﷺ اور قرآن کا انکار کرے، اُسے کیسے صاحب ایمان قرار دیا جاسکتا ہے، یہی امت کا اجماعی عقیدہ ہے، (اصلاح عقائد و اعمال، ص 35-36)۔“